Vol.4 No. 3 2021

ISSN Online: 2709-7625

ISSN Print: 2709-7617

سیدہ حنا کے ناول "تنہا اُداس لڑکی" میں سلیمہ کے کردار کا تحقیقی و تنقیدی مطالعہ

THE CHARACTER OF SALEEMA IN SYEDA HINA'S NOVEL TANHA UDASS LAKRKI"LONELY SAD GIRL"RESEARCH AND CRITICAL STUDY

* ڈاکٹر علی شیر ,اسکالر شعبہ اردو جامعہ پشاور

** ڈاکٹر بادشاہ منیر بخاری ,شعبہ اردو جامعہ پشاور

ABSTRACT

Syeda Hina a novelist of Urdu literature whose novels are on social topics. Her novel "Lonely Sad Girl" became very popular. Saleema is an ordinary girl from a poor family who lives her life in poverty while keeping her Eastern traditions and values. However, the cruelty of society and the outdated traditions, the sanctity of relationships, and the fear of the unknown have made this character very insignificant. This study sheds light on all these aspects. The problems that women face in the Eastern poor society are all reflected in this one character and there has been an attempt to turn this character towards mental rebellion but the guard of values is so strong that it could not revolt and adopted Eastern values in the novel.

Key words:

Syda Hina, Novel, character, Eastern Traditions, women, poor, family

اردو ناول کی ابتدا ڈپٹی نذیر احمد نے کی اور اپنی بچیوں کی اخلاق سازی کے لیے ناول لکھے، اس کے بعد یہ تسلسل جاری رہا مگر ناولوں میں حقیقی نسوانی جذبات اور نسوانی زندگی کے مسائل کو خواتین ناول نگاروں نے ہی اجاگر کیا، سیدہ حنا بھی ناول نگاروں کی اس نسل سے تعلق رکھتی ہیں جنہوں نے فن ناول نگاری کو ذریعہ بنا کر خواتین کی حقیقی مشرقی زندگی ان کی محرومیوں اور مسائل اور تانیثی جذبات کا اظہار کیا۔

ناول حقیقی زندگی کی عکاسی کرتا ہے ناول کے تمام کردار حقیقت سے قریب تر ہوتے ہیں اور یہ کردار ہی ہوتے ہیں جو کسی بھی کہانی میں واقعات کو ایک پرت میں جوڑنے میں اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ کوئی بھی واقعہ کردار کے بغیر رونما نہیں ہو سکتا۔ یہ کردار ہی ہوتے ہیں جو زندگی کے مختلف ادوار میں مختلف واقعات کے رونما ہونے کا سبب بنتے ہیں۔ بقولِ ڈاکٹر سید عبداللہ :

"عمل کردار کے بغیر ظہور پذیر نہیں ہو سکتا"۔(۱)

واقعات افرادِ واقعات کے بغیر رونما نہیں ہوتے۔ ارضی ماحول سے متعلق واقعات کی پیشکش کے لئے تو افراد کی ضرورت ہوتی ہے۔ فرضی واقعات بھی افراد کے بغیر پیش نہیں کئے جاسکتے۔ ناول نگار اپنے قصے میں واقعات کا جو ماحول بیان کرتا ہے اس کے کردار بھی اسی ماحول سے ماخوذ ہوتے ہیں۔۔۔ ناول نگار جس طبقے، معیار اور انداز و مزاج کی زندگی کو اپنا موضوع بناتا ہے کردار بھی اسی طبقے، معیار اور انداز و مزاج کی ترجمانی کرتے ہیں۔(۲)

ناولوں کے کردار ہمارے ہی معاشرے کے جیتے جاگتے کردار ہوتے ہیں۔ کردار جتنے ہمارے معاشرے کے قریب تر ہوں، ہمارے تہذیب و ثقافت سے جڑے ہوئے ہوں وہ ناول کی عمدگی میں اضافہ کرتے ہیں۔

ناول میں کردار نگاری کی بہت اہمیت ہے۔ بلکہ بڑی حد تک کرداروں کی اصلیت پر ناول کی کامیابی کا دارومدار ہے۔ ناول کے کرداروں کو ہمارا ہی جیسا جیتا جاگتا انسان ہونا چاہیے۔ ایک کامیاب ناول کے کردار ہمارے جیسے گوشت پوست سے بنے ہوتے ہیں۔۔۔۔۔۔۔ بہر حال یہ سب ہماری ہی دنیا کے باشندے ہوتے ہیں۔ ایسے ہی کردار جاندار ہوتے ہیں اور بقائے دوام حاصل کرتے ہیں۔(۳)

یہی غیبی قوت ہی ہے جو ناول نگار کو خیر اور شر کے آویزش رکھے ہوئے کردار کو بیان کرنے پر قادر کرنے میں مدد دیتی ہے۔ ان میں بعض کردار ایسے ہوتے ہیں جنہیں ہم نفرت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں اور بعض کردار ایسے بھی ہوتے ہیں کہ جن کے لیے ہم نہ جذبہ محبت رکھتے ہیں اور نہ نفرت۔ وہ ضمنی کردار ہوتے ہیں جو کہانی کے ابتدا سے لے کر اختتام تک تو پہنچاتی ہے لیکن کہانی کا مرکزی واقعے سے اُن کا کوئی لینا دینا نہیں ہوتا۔ جو کردار کہانی کے واقعے سے سب سے زیادہ متاثر ہوتے ہیں وہی مرکزی کردار ہوتے ہیں جن کے لیے کہانی بنی ہے اور جن کی وجہ

Vol.4 No. 3 2021
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617

سے کہانی میں رنگ آجاتا ہے۔

کردار نگاری کے لحاظ سے سیدہ حنا نے ناول "تنہا اُداس لڑکی" میں بڑے جاندار کردار تراشے ہیں۔ اس ناول میں زیادہ تر کردار نسوانی ہیں۔ چونکہ سیدہ حنا خود بھی ایک عورت تھی اسی وجہ سے عورت کے دکھ درد اور اُن کے مسائل کا اُنہیں بخوبی علم تھا جس کی وجہ سے اُنہوں نے ان کرداروں کو بڑی فنکاری سے کہانی میں ضم کیا ہے۔ اس ناول میں مرکزی کردار سلیمہ کا ہے جس کے گرد پوری کہانی گھومتی ہے۔ اس کے علاوہ دیگر نسوانی کرداروں میں سلیمہ کی دادی، سلیمہ کی ممانی، مرجانہ، تاجو، تاجو کی ماں، نوری کی سہیلیاں، بشیرے اور پڑوس میں رہنے والی کچھ عورتیں شامل ہیں۔

سیدہ حنا نے اس ناول میں ایک ایسے معاشرے کا عکس کھینچا ہے جو زیادہ تر غربت و افلاس کے مارے زندگی کے ہر موڑ پر دھکے کھاتے ہوئے پوری فضا کو مایوسی کا ایک تماشہ بنا دیتا ہے یہ کردار ماحول کے ساتھ اپنا رنگ بدلتے ہوئے نظر آتے ہیں

'تنہا اُداس لڑکی' کا مطالعہ کرتے وقت ایک معاشرتی تصویر قاری کے ذہن میں مرتب ہوتی ہے۔ یہ تصویر ہمارے معاشرے کے (ہندوستان اور پاکستان، دونوں ملکوں میں) نچلے درمیانہ طبقہ کی تصویر ہے۔ اس طبقہ سے تعلق رکھنے والے والدین عام طور پر سماج کی مروجہ اخلاقی اقدار کا احترام کرتے ہیں اور اپنے بچوں کو بھی آداب و احترام کی روایت کی پاسداری کی تعلیم دیتے ہیں، لیکن پیسے، پیسے سے وابستہ اور پیسے کی وساطت سے بیشتر اقدار ناگزیر انداز سے ان پر اثر انداز ہونے لگتی ہیں اور وہ بالآخر تضادات کی یلغار کی زد میں آجاتے ہیں۔(۴)

سلیمہ چونکہ اس ناول کا مرکزی کردار ہے جو شروع سے لے کر آخر تک کہانی میں ایک ایسی اُداس لڑکی کی صورت میں پیش کی گئی ہے جو خوشحال زندگی سے غموں اور آلام کے ایک نہ ختم ہونے والے سلسلوں میں گھر چکی ہوتی ہے۔ والد کے فوت ہو جانے کے بعد اُن کی زندگی کی تمام خوشیاں درہم برہم ہو گئی تھیں قرض داروں کے قرض ادا کرتے کرتے ان کے والد کی ساری پونجی ختم ہو گئی یہاں تک کہ اُنہیں اپنے گھر سے بھی ہاتھ دھونا پڑا اور ایک ایسے محلے میں آکر آباد ہو گئے تھے جہاں پر گندگی ذہن سے شروع ہو کر چاروں طرف پھیل گئی تھی۔ یہاں پر وہ اپنی دادی، چھوٹے بھائی جامی اور چچا عارف کے ساتھ رہتی تھی۔ ایسے میں جب وہ اکیلی ہوتی ہے تو اپنی ماضی کی یادوں میں گم ہو جاتی ہے اور اپنے پرانے گھر، سہیلیوں، ابو اور اپنوں سے جڑی اُن تمام خوشیوں کی طرف اُن کا دھیان چلا جاتا ہے جو کبھی وہ جی رہی تھی۔ سیدہ حنا نے بڑی خوبصورتی سے وہ تمام نقشہ کھینچا ہوا ہے جو سلیمہ کی گزری ہوئی زندگی سے وابستہ تمام یادداشتوں کی طرف اشارہ کرتا ہے

ماضی کی یادیں انسان کا پیچھا کبھی بھی نہیں چھوڑتی اور پھر وہ لمحات جن میں انسان نے اپنا بچپن کھویا ہو۔ وہ تو ایک ایسی اذیت بن کر رہ جاتی ہے جس کے لیے نہ تو کوئی دوا ہوتی ہے اور نہ ہی کوئی مرہم۔ ایسے ہی حالات سے سلیمہ دوچار رہی ہے۔ اُن کے خواہشات ان گنت تھے اور ان خواہشات نے اُن کے سامنے ہی دم توڑا تھا۔ تعلیم حاصل کر کے ڈاکٹریٹ کرنا تو کجا اب تو انہیں چند کتابیں بھی میسر نہیں تھیں کہ جن کو پڑھ کر وقت گزارا جا سکے۔ صرف ایک رسالہ (جو اُن کے چھوٹے بھائی جامی اُن کے لیے لایا تھا) پڑھ کر اپنی تنہائی کے کچھ لمحات گزارنا کتنا مشکل ہو جاتا ہے۔ سیدہ حنا نے اس کردار سے معاشرے میں موجود ایسی کئی جوان لڑکیوں کی تصویر کھینچی ہے جو اپنے ارمانوں کو دم توڑتے ہوئے دیکھ چکی ہیں۔ ایسے میں ان کے ذہن پر ایک اضطراب طاری ہو جاتا ہے۔ ایک ایسا اضطراب جو نہ تو انسان کو حرکت کرنے پر اُکساتی ہے اور نہ ہی موجودہ حالت میں رہا جا سکتا ہے۔ زندگی کے گھناؤنے خواب میں وہ ایک دوراہے پر کھڑے ہو کر تماشۂ روز و شب دیکھ سکتے ہیں اور بس۔ سلیمہ کی زندگی بھی ایک ایسی ہی کشمکش کی نذر ہو جاتی ہے وہ اپنے لیے کوئی فیصلہ نہیں کر پاتیں کہ وہ کونسا راستہ اختیار کرے کہ وہ اس ماحول سے الگ اپنی زندگی بھی گزار سکے اور اخلاق کے دائرے سے بھی نہ نکل سکے۔

سیدہ حنا نے سلیمہ کو ایک ڈری ہوئی لڑکی کے روپ میں پیش کیا ہے ایک ایسا ڈر اُن کے ذہن پر سوار ہوتا ہے کہ جس سے چھٹکارا پانا ان کے لیے مشکل تھا۔ وہ بغاوت بھی نہیں کر سکتی تھی کیونکہ سلیمہ اخلاقیات اور مذہب پر یقین رکھتی تھی اور اس کے ساتھ ساتھ صابر بھی تھی لیکن کبھی کبھی کھلی فضا میں جی لینے کا شوق لاشعوری طور پر انسان کے قول و فعل سے ظاہر ہو ہی جاتا ہے۔ نوری نے جب سلیمہ سے کہا کہ تھا کہ

"تو تم آج ہمارے ساتھ تماشے میں چلو گی نا" (۵)

تو اس بات پر دادی کے غصہ ہو جانے کے باوجود انہوں نے دادی کے منہ پر ہاتھ رکھ کر کہا کہ

"چچا سے پوچھ لوں۔ پھر چلوں گی۔"(۶)

لیکن کبھی نہیں گئی اور اسی طرح ناول کے شروع سے اخیر تک وہ گھر میں ہی رہی۔ بالکل ہمارے معاشرے کی سیدھی سادھی لڑکیوں کی طرح جو عمر بھر اپنے ہی گھر میں اپنی ساری زندگی اپنے باپ دادا کی عزت و ناموس کی حفاظت کرتے ہوئے گزارتی ہے۔ سلیمہ بھی ہمارے ہی معاشرے کا ایک کردار ہے۔ اُس نے بھی سمجھوتہ کر لیا تھا اپنے اس کچے پرانے گھر سے، ماضی سے اور رضی کی یادوں سے جو اُس کا منگیتر تھا۔ دادی کی طرف سے تو اسے ہمیشہ ڈانٹ پڑتی رہی اور سلیمہ کو وہ اپنی کمزور کندھوں پر بوجھ تصور کرتی رہی لیکن اُنہیں اپنے چچا سے بھی کوئی اُمید نہیں تھی اس اندھیری زندگی میں اگر کوئی اُمید کی کرن تھی تو وہ تھا رضی جو اُس کا منگیتر تھا اور جس کے ساتھ بچپن میں ہی اس کا رشتہ طے ہو گیا تھا۔ اکیلے پن اور تنہائی سے اُکتا جانے کے بعد

Vol.4 No. 3 2021
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617

جب وہ تعلیم بالغاں کا مرکز کھولنے کا سوچتی ہے تو فوراً ان کے دل میں رضی کا خیال آتا ہے اور وہ اُس خیال کو جھٹک دیتی ہے جو ایک لمحے کے لیے اُن کے ذہن میں اُبھرا تھا۔(۷)

سسرال کے گھر کا خواب ہر لڑکی کا ہوتا ہے سیدہ حنا نے سلیمہ کے روپ میں ایک مشرقی لڑکی کی تصویر کھینچنے کی بھرپور کوشش کی ہے کہ سسرال کے گھر کے بارے میں سوچتے ہوئے وہ شرما جاتی ہے اور شرمانا لڑکیوں کا خاصہ ہے۔ جس سے سیدہ حنا نے بھرپور فائدہ اُٹھایا ہے۔ سلیمہ خود کو اس گھر میں قید وہ شہزادی تصور کرتی ہیں کہ جس کا شہزادہ ایک دن آکر اُسے اس تنگ و تاریک کنویں جیسے ماحول سے چھڑا کر لے جائے گا۔ وہ شہزادہ رضی تھا جو سلیمہ کی چاہتوں کو اپنے قبضے میں کیے ہوئے تھا۔ لیکن ان کے تمام خواب چکنا چور ہو جاتے ہیں۔ رضی کی بے وفائی اور بزدلی، ممانی کے ظلم، ماموں کی خاموشی اور دادی کے طعنوں سے سلیمہ نفسیاتی طور پر مجروح ہو جاتی ہے اُن پر غموں کے پہاڑ ٹوٹ پڑتے ہیں اور وہ ایک لاچار اور تنہا لڑکی کی صورت میں سامنے آجاتی ہے جو صرف سوچ سکتی ہے، آہ و فریاد کر سکتی ہے لیکن کچھ کر نہیں سکتی ایسے میں طرح طرح کے خیالات اُن کے ذہن میں آتے ہیں اور ایک نہ ختم ہونے والا طوفان اُن کے دل میں گھر کر لیتا ہے۔(۸)

انسان کی فطرت میں ہے کہ جہاں اُسے محبت ملے وہ اُسی طرف لپک پڑتا ہے، خوش ہوتا ہے اور اپنے آپ کو قابلِ عزت تصور کر لیتا ہے لیکن جب اسے ٹھکرایا جائے تو وہ دل ہی دل میں مجروح ہو جاتا ہے اور لاشعوری طور پر اس کے دل میں نفرت کی فضا پیدا ہو جاتی ہے اور سلیمہ کے ساتھ بھی یہی ہوا۔ اُسے مسترد کیا گیا تھا اُن کی صورت کی وجہ سے نہیں بلکہ اُن کی غربت کی وجہ سے۔ سلیمہ ایک سوچ رکھنے والی لڑکی ہے نہ تو وہ نچلے طبقے سے تعلق رکھتی ہے کہ جنہیں اپنے مقدر کا پتا ہو کہ اُسے اسی گندگی کے ڈھیر میں رہنا ہے اور یہیں پر مرنا ہے اور نہ اونچے طبقے سے تعلق رکھنے والی بڑی شان و شوکت کی حق دار ہے کہ جو چاہا ہو گیا۔ وہ درمیانی طبقے سے تعلق رکھنے والی باعزت گھرانے کی لڑکی ہے جو کبھی بھی اپنی عزتِ نفس کو مجروح ہوتے نہیں دیکھ سکتی۔ جو لوگوں کی نظروں میں اپنے لیے ڈھیر سارا پیار دیکھنا چاہتی ہے، عزت دیکھنا چاہتی ہے۔ مسترد کرنے کے بعد جو ذہنی الجھنیں پیدا ہوتی ہیں سیدہ حنا نے اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے سلیمہ کے ذریعے اس بات کی وضاحت کی ہے کہ انسان سب کچھ برداشت کر سکتا ہے لیکن یہ برداشت نہیں کر سکتا کہ کوئی اس کے انا کا گلہ گھونٹ دے۔ اسی لیے تو سلیمہ کے دل میں اُن تمام افراد کے لیے نفرت کا سیلاب اُمڈ آتا ہے جو کبھی اُن سے محبت کرتی تھی اور اُن کو یاد کر کر کے شرماتی رہتی تھی۔ اور جب رضی اُن کے گھر آیا تھا اپنے پاس ہونے کی خبر دینے اور مٹھائی لایا تھا اپنے ساتھ۔ اس وقت ایک سرخ پیکٹ میں سلیمہ کے لیے بھی تحفہ لایا تھا۔ اُس وقت وہ کتنی خوش تھی لیکن جب دادی نے انہیں کہا تھا کہ میں دو چار دن میں تمہاری ماں کے پاس آؤں گی اور شادی کی بات کروں گی تو رضی گھبرا گیا تھا کہ ایسا نہ ہو کہ ماں کو پتہ چل جائے کہ میں یہاں اُن کو بتائے بغیر آیا تھا۔ اس وقت رضی کی کم ہمتی سلیمہ کو بالکل بھی اچھی نہیں لگی اُس منظر کو سیدہ حنا نے بڑے فنکارانہ انداز سے پیش کیا ہے (۹)

سلیمہ کا کردار اس پوری کہانی میں ہمارے معاشرے کو حقیقت کا آئینہ دیکھاتی ہے۔ اُسے اپنے گھر والوں کی عزت کا پاس ہے۔ کبھی کبھی اُسے اس گھر میں گھٹن محسوس ہونے لگتی تھی اور وہ چاہتی تھی کہ کسی ایسی جگہ چلی جائے جہاں پر کھلی فضا میں سانسیں لے سکے جہاں پر زندگی کی تمام تر رعنائیاں اُس کا انتظار کر رہی ہوں۔ جہاں پر وہ اپنی زندگی عزت کے ساتھ اپنی مرضی کے مطابق جیے۔ لیکن وہ فیصلہ نہیں کر پا رہی تھی کہ وہ کیا کرے۔ نوری کے لاکھ بتانے پر بھی وہ نہ مانی۔ نوری جو اُسے ایسے کام پر اکساتی رہی جو سلیمہ کبھی نہ کر سکتی تھی اور نہ وہ نوری کے ساتھ جا سکتی تھی لیکن اس ناول میں کئی جگہ پر دیکھا جا سکتا ہے کہ سلیمہ اپنے دل ہی دل میں چاہتی ہے کہ نوری کے ساتھ چلی جائے۔ اور آزادی کے ساتھ اپنی زندگی گزار سکے۔(۱۰)

اُداسی کا یہ رستہ اُنہیں قبول نہیں تھا لیکن مرتا کیا نہ کرتا۔ اُس کا دل اُسے ہر بار اس بات پر مجبور کرتا رہا کہ نوری کے ساتھ چلی جاؤ۔ جب نوری نے تماشے کے لیے کہا تھا تو اُس نے جواب میں کہا تھا کہ "چچا سے پوچھ لوں گی"۔ سلیمہ کا یہ کہنا اس بات کا اعتراف ہے کہ وہ بھی دوسرے انسانوں کی طرح ہنسنا چاہتی تھی، گھومنا چاہتی تھی اور زندگی کی شوخیاں دیکھنا چاہتی تھی۔ اور آخر میں جب نوری نے تاجو کے گم ہو جانے کی وجہ سے محلہ چھوڑنے کی بات کی۔ اور اسے بھی اپنے ساتھ چلے جانے کی ترغیب دی تو بھی سلیمہ نوری کے بہکاوے میں آجاتی ہے اور وہ فیصلہ کر لیتی ہے کہ اس در و دیوار کو چھوڑنا ہے۔(۱۱)

نوری اُسے اچھی لگتی تھی لیکن کبھی کبھی اُن کی حرکات دیکھ کر اسے ڈر لگنے لگتا تھا۔ کیونکہ نوری ہی کی وجہ سے مرجانہ چلی گئی تھی اور نوری ہی کی وجہ سے معصوم تاجو غائب ہو گئی تھی۔ تاجو کی ماں کتنی روئی، اُن کے آنسو تھمنے میں نہیں آرہے تھے شوہر کی مار اور بیٹی کے کھو جانے کے دکھ سے اُن کا کلیجہ پھٹا جا رہا تھا اور نوری اتنی بے پرواہ تھی کہ جیسے کچھ ہوا ہی نہ ہو۔(۱۲)

لیکن سلیمہ کو اپنے گھر کی فکر رہی بالکل اُن مشرقی لڑکیوں کی طرح جو اپنے باپ دادا اور بھائیوں کی عزت کی خاطر زندگی کی سختیاں برداشت کرتی رہتی ہیں لیکن کبھی علمِ بغاوت بلند نہیں کرتیں، کبھی کسی سے شکوہ نہیں کرتی اور سب کچھ ہنستے ہنستے سہہ لیتی ہیں۔ دادی سلیمہ کو اپنے اوپر بوجھ تصور کر لیتی ہے اور چچا عارف اپنے دھن میں مست ہو کر گھر بار سے بے پرواہ اپنی زندگی گزارنا چاہتا ہے۔ سلیمہ چچا عارف اور اپنے ماموں ممانی کی طرح پیسوں کا لالچ نہیں کرتی وہ تو سراپا محبت ہے، بھائی سے محبت، چچا سے محبت، دادی سے محبت اپنے ماں باپ سے محبت اُن کی زندگی کا مشعلہ ہے۔ بیتے کل کی یادیں ابو کی باتیں، ماں کی چاہتیں اور اپنے خاندان کی عزت کے بارے میں سوچنا ہی محبت ہے جو کسی بھی انسان کو مجبور کر سکتا ہے کہ خواہ کیسی بھی صورتحال ہو تمام مسائل سے نبرد آزما ہو کر جینا ہے۔

سلیمہ لاکھ کوشش کرتی ہے، سوچتی ہے، روتی ہے اور یہاں تک کہ فیصلہ بھی کر لیتی ہے کہ نوری کے ساتھ چلی جائے لیکن اپنے خاندان کی عزت اور اپنے بھائی کے بارے میں

Vol.4 No. 3 2021
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617

جب سوچتی ہے تو نوری کی زبردستی کے باوجود بھی وہ نوری کے ساتھ نہیں بلکہ واپس اپنے اس پرانے گھر میں رہنے کا فیصلہ کر لیتی ہے۔(۱۳)

اچھائی اور برائی کے درمیان صرف تین قدم کا فاصلہ تھا۔ سلیمہ اگر چاہتی تو یہ فاصلے وہ طے کر سکتی تھی لیکن وہ دو قدم جو اس نے اُٹھائے تھے غنودگی کے عالم میں اُٹھائے تھے اور جب اُسے خیال آیا کہ اُس کا چھوٹا بھائی جامی جو نیند میں ڈر کر بجو۔ بجو پکار رہا تھا۔ وہ واپس پلٹتی ہے اور نوری کے ساتھ چلے جانے کا فیصلہ ترک کر کے دروازہ بند کر لیتی ہے۔ نیکی اور بدی کے درمیان کا یہ فاصلہ طے کرنا اُن کی زندگی میں مزید تاریکیاں پیدا کر سکتا تھا۔ لیکن سلیمہ جو اپنی روایت سے جڑی ہوئی ایک ایسی مشرقی لڑکی کا کردار ہے جو ہمیشہ اچھائیوں کو ترجیح دیتی ہے۔ اپنی عزت اُسے اس قدر پیاری ہے کہ جب دادی نوری کے لائے ہوئے خوبانیوں کے متعلق پوچھتی ہے کہ یہ اتنی بڑی خوبانی کہاں سے آئی۔ تو بھی سلیمہ اس بات کو ٹالنے کی کوشش کرتی ہے اور دوسری بات شروع کر دیتی ہے۔ ہمارے معاشرے کے بالکل ایک حقیقی کردار کی طرح اُسے اتنا بھی گوارا نہیں ہے کہ کسی کو پتہ چلے کہ ہم بھوکے ہیں یا سیر ہو کر سوتے ہیں۔

سیدہ حنا کا یہ کردار سراپا نیکی ہے اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ جب چچا عارف کے لیے بنایا ہوا رومال جب وہ نوری کے پاس دیکھتی ہے جس پر این اور اے لکھا ہوا ہوتا ہے جو سلیمہ نے لکھا تھا عارف کے لیے۔ وہ سمجھ گئی تھی کے یہ رومال کہاں سے آیا ہے نوری کے پاس۔

چچا عارف کے رات کا ٹیوشن، اور نوری کی سہیلی کا اُسے دیا ہوا رومال، اُردو، رومال اور محبت۔ یہ خیالات سلیمہ کے ذہن میں زہر گھول دیتی ہیں۔ ایسا لگتا ہے کہ یہ کردار اپنے چچا کی حرکتوں پر ناخوش ہو اور جسے ڈر ہو کہ ایسا نہ ہو کہ نوری کے چکر میں پڑ کر اپنے چچا سے ہاتھ دھو بیٹھے۔ باوجود اس کے کہ چچا نے سلیمہ کے ابو کے مرنے کے بعد اس سے کبھی پیار سے بات بھی نہیں کی لیکن سلیمہ کو اُن کی فکر تھی۔ یہاں تک کہ اپنے منگیتر کی طرف سے بھی بے وفائی کا شکار ہو جاتی ہے لیکن زبان سے کچھ بھی نہیں کہتی۔ نہ کوئی شکایت نہ کوئی التجا، نہ کسی کے سامنے کوئی آہ و فریاد۔ اکیلے ہی سہتی ہے اور اکیلے ہی روتی ہے۔ لیکن کسی کو کانوں کان خبر نہیں ہونے دیتی کہ سلیمہ کے دل پر کیا گزر رہی ہے۔ وہ کس صدمے سے دوچار ہے اُنہیں کس بات کا غم ہے۔ سلیمہ کا کردار ہمارے معاشرے کا ایک ایسا حقیقی کردار ہے کہ جو اپنی مظلومیت کا ڈھنڈورا نہیں پیٹتی اور اپنوں اور پرایوں کے دیئے ہوئے تمام دکھ آسانی سے برداشت کر لیتی ہیں۔ سید وصی رضا لکھتے ہیں۔

> "سلیمہ کی مظلوم جوانی اور معصوم محبت نے بلزاک Balzak کی یوژینی ژراندے Eugenie Grandet کی حسرتناک انجام کی طرف ذہن کو منتقل کیا۔"(۱۴)

اس ناول میں سلیمہ کا کردار خیر و شر کی آویزش رکھتا ہوا ایک ایسا کردار ہے جو سماجی بے حسی پر زار و قطار روتی بھی ہے اور کھلکھلا کر ہنسنے کی آرزو مند بھی ہے۔ اُس کا ذہن اپنے گھر کی عزت کے بارے میں سوچتا بھی ہے اور اُن کا دل گھر سے چلے جانے کے لیے بے تاب بھی۔ وہ اس تاریک گھر میں زندگی گزارتے ہوئے گھٹن بھی محسوس کرتی ہے لیکن یہاں پر اُن لوگوں کے لیے فکر مند بھی ہے جس سے وہ محبت کرتی ہے۔ جو اُس کے اپنے ہیں۔ ڈاکٹر وزیر آغا لکھتے ہیں:

> "سلیمہ کا کردار شروع سے آخر تک خیر و شر کی آویزش کی آماجگاہ بنا رہتا ہے۔ وہ بعض خارجی تحریکات سے برسرِ پیکار ہوتی ہے، ڈولتی ہے، گرتی ہے لیکن سنبھل جاتی ہے اور قاری کہہ نہیں سکتا کہ آیا وہ اگلے ہی قدم پر دوبارہ ڈول نہیں جائے گی۔ "ٹوبی آرناٹ ٹوبی" کی اسی کیفیت نے سلیمہ کے کردار میں توانائی پیدا کی ہے۔"(۱۵)

سلیمہ اگر لاکھ اس گھر میں خود کو مقید تصور کرتی ہے لیکن ان محبتوں کو وہ تختۂ دار پر لٹکانا نہیں چاہتی وہ نہیں چاہتی کہ اُس کی عزت پر حرف آئے وہ نہیں چاہتی کہ کوئی اُس کو کوسے، وہ نہیں چاہتی کہ اُس کے چچا اور دادی کی ناک کٹ جائے اور لوگوں کے طعنے سنے۔

ناول "تنہا اُداس لڑکی" میں سلیمہ ایک ایسے دوراہے پر کھڑی ہیں جہاں پر اُن کی زندگی سسکتی ہوئی گزرتی ہے، وہ اپنے ذہن میں بسی شادابیوں کا نظارہ اپنی یادوں میں تو کر سکتی ہے جس کا اُسے پورا حق حاصل ہے مگر نہ وہ اظہار کی طاقت رکھتی ہے اور نہ اُسے اس ماحول سے ہٹ کر جینے کے لیے کوئی چارہ ہے۔ اگر کوئی چارہ ہے بھی تو وہ ہے نوری کا راستہ۔ جس راستے پر چل کر آگے صرف مشکلات ہی مشکلات ہیں۔ یہ راستہ سراب ہی سے شروع ہوتا ہے اور سراب ہی پر اس کا اختتام ہوتا ہے اور پھر انسان اپنی پوری زندگی اسی سراب کو حقیقت کرنے میں گزار دیتا ہے لیکن کانٹوں اور چھالوں کے سوا کچھ ہاتھ نہیں آتا۔

سلیمہ کا کردار اُس گھسے پٹے ماحول میں اس غربت کی چکی میں پستے ہوئے غریب طبقے کا نمائندہ کردار ہے جس میں غلط راستہ چننے پر زندگی کے چند لمحے تو ہنسی خوشی گزر جاتے ہیں لیکن انہی خوشیوں کے بعد جو نہ ختم ہونے والا سلسلہ ہے وہ آنسوؤں کا ہے اور پھر یہ آنسو مرتے دم تک پیچھا چھوڑنے والے نہیں ہیں۔

سیدہ حنا نے اس ناول میں ہمارے معاشرے کی اُن بد مزاجیوں کی طرف اشارہ کیا ہے جو حالات کے بگڑنے کی وجہ سے طبقاتی درجہ بندیوں میں بٹنے والوں کے لیے اذیت بن جاتی ہیں۔ زندگی زندگی نہیں رہتی اور موت کا تو ایک دن معین ہے، چاہ کر بھی نہیں آسکتی۔ اس ناول میں صبح کے ستارے کی طرح ڈگمگانے والا اور رات میں چاند کی طرح چمکنے والا کردار سلیمہ کا ہے جو شروع سے لے کر اخیر تک زندگی کے گتھیوں کو سلجھانے میں گزار دیتی ہے اور جب اُسے اس تنگ و تاریک ماحول سے نکلنے کا موقع ہاتھ آجاتا ہے تو بے شمار آوازیں اُسے اپنے لپیٹ میں لے

Vol.4 No. 3 2021
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617

لیتی ہیں یہ آوازیں محلے کی اُن عورتوں کی ہیں جو بات سے بات نکال کر کہانیاں بنانے میں ماہر ہیں۔ یہ آوازیں اُن لوگوں کی ہیں جو سلیمہ کے نکلتے ہی کہہ دیتے ہیں کہ "کم اصل تھی نا اپنا آپا نہ سنبھال سکی۔" یہ آوازیں اُس کی دادی کی ہیں جو اپنی کمزور ہڈیوں پر تو سلیمہ کو بوجھ تصور کرتی ہیں لیکن سلیمہ کے لیے اُس کی ممانی کی خوشامد بھی کرتی ہیں اور اس کی منتیں بھی کی ہیں، یہ آوازیں اُن کے ماں باپ کی ہیں جنھوں نے عزت سے اپنی زندگی گزاری تھی۔ سلیمہ کو اگر اپنی زندگی میں دکھ ہی دکھ ملے ہیں لیکن اُن کے دل میں اُن تمام لوگوں کے لیے محبت کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی ہے جو اُس کے اپنے ہیں اور یہی محبت اُسے غلط قدم اُٹھانے سے روکتی ہے۔

اس ناول میں قدم قدم پر قاری کو چونکا دینے والا کردار صرف سلیمہ ہی کا ہے باقی کے کردار آتے ہیں اور چلے جاتے ہیں لیکن سلیمہ شروع سے لے کر ناول کے اختتام تک کہانی میں شامل ہے۔ ایسا لگتا ہے کہ سیدہ حنا نے "تنہا اُداس لڑکی" صرف سلیمہ کے کردار کو آشکارہ کرنے کے لیے ہی لکھا تھا۔ اور سیدہ حنا بہت حد تک اپنی اس کاوش میں کامیاب نظر آتی ہے۔

حوالہ جات

۱۔ سید عبداللہ، ڈاکٹر، اشاراتِ تنقید، سنگ میل پبلی کیشنز لاہور، ۲۰۱۱، ص ۳۰

۲۔ اسلم آزاد، ڈاکٹر، اردو ناول کا ارتقاء، بک ٹاک لاہور، ۲۰۱۴ء، ص ۱۶

۳۔ سلام سندیلوی، ڈاکٹر، ادب کا تنقیدی مطالعہ، ادب اور اصنافِ ادب کا تجزیہ، میری لائبریری، لاہور، ۱۹۶۴ء، ص ۹۰

۴۔ بلراج کومل، تنہا اُداس لڑکی ایک مطالعہ، مشمولہ تنہا اُداس لڑکی سیدہ حنا، ادارہ ابلاغ، احمد سلمان پبلیکیشنز پشاور، جون ۱۹۹۱ء، ص ۶

۵۔ سیدہ حنا، تنہا اُداس لڑکی، ادارہ ابلاغ، احمد سلمان پبلیکیشنز پشاور، جون ۱۹۹۱ء، ص ۱۸

۶۔ ایضاً، ص ۱۸

۷۔ ایضاً، ص ۲۷

۸۔ ایضاً، ص ۶۷

۹۔ ایضاً، ص ۲۴

۱۰۔ بلراج کومل، تنہا اُداس لڑکی ایک مطالعہ، مشمولہ تنہا اُداس لڑکی سیدہ حنا، ادارہ ابلاغ، احمد سلمان پبلیکیشنز پشاور، جون ۱۹۹۱ء، ص ۸

۱۱۔ سیدہ حنا، تنہا اُداس لڑکی، ادارہ ابلاغ، احمد سلمان پبلیکیشنز پشاور، جون ۱۹۹۱ء، ص ۹۲۔۹۳

۱۲۔ ایضاً، ص ۴۸

۱۳۔ ایضاً، ص ۹۵۔۹۶

۱۴۔ سید وصی رضا، پروفیسر، تنہا اُداس لڑکی، ادارہ ابلاغ، احمد سلمان پبلیکیشنز پشاور، جون ۱۹۹۱ء، فلیپ

۱۵۔ وزیر آغا، ڈاکٹر، تنہا اُداس لڑکی، ادارہ ابلاغ، احمد سلمان پبلیکیشنز پشاور، جون ۱۹۹۱ء، فلیپ